بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ شیعہ کا مختصر خاکہ

از قلم

حضرت سید العلماء مدظلہ

ربیع الثانی ۱۳۷۴ھ

For Tareekhwaar Nauhas visit -

www.WirasatAli.com

www.youtube.com/user/WirasatAli

For Hamd, Naat, Souz, Salaam,

Marsiya and Majlis Videos visit -

www.youtube.com/user/MahaKavi

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ربالعالمین والصلوٰۃ علیٰ سید الانبیآء والمرسلین وآلہ الطاھرین

شیعیت کا ابتدائی دور

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں شیعہ اور غیر شیعہ کی کوئی تفریق ظاہر نہ ہوئی تھی تاہم نمایاں طور پر تین آدمی اہلبیتؑ طاہرین کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے ہوئے محسوس ہوتے تھے ۔ یہ سلمان، ابوذر اور مقداد تھے جو شیعہ کے لقب سے خصوصیت کے ساتھ ملقب ہوئے یہی وہ اشخاص تھے جو وفات پیغمبر خداؐ کے بعد اس وقت جبکہ ایک دنیا سیاسی رو میں بہہ کر اہلبیتؑ سے کنارہ کش ہو گئی تھی، ایک لمحہ کے لئے بھی رسولؐ اور اہلبیتؑ رسول کی وفا داری سے منحرف نہیں ہوئے، اور پیغمبر خداؐ سے کئے ہوئے اس معاہدہ پر برقرار رہے جو غدیر خم میں ولایت حضرت علیؑ ابن ابیطالب کے اقرار کے بارے میں ہو چکا تھا۔ ان کی استقامت کے اثر سے چند اشخاص نے اور اس مسلک کو حق سمجھتے ہوئے اس سے وابستگی اختیار کی ۔ ان ہی میں بارہ آدمی وہ تھے جنھوں نے جمعہ کے دن مسجد رسولؐ میں امیر المومنین علی ابن ابیطالبؑ کے حق خلافت کے ثبوت میں تقریریں کیں اور اکثریت کے ساختہ و پرواختہ نظام حکومت کے مقابلہ میں احتجاج کیا۔

ان میں مذکورہ بالا تین بزرگواروں کے علاوہ مہاجرین میں سے عمار بن یاسر، انصار میں سے ابی بن کعب اور خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین اور تاریخی لحاظ سے قابل تعجب یہ امر ہے کہ بنی امیہ میں سے خالد بن سعید بن عاص بھی تھے۔ باقی مہاجرین و انصار میں سے دوسرے اشخاص تھے۔

قبائل عرب میں سے جنکا نام ' مرتدین ' رکھا گیا اور ان پر منع زکوٰۃ کا الزام عائد کر کے انکے قتل و غارت کو فرض سمجھا گیا انمیں بہت سے ایسے تھے جنکا جرم بس یہی تھا کہ وہ اس نظام حکومت کو جو پیغمبر خداؐ کے اعلانات کے خلاف قائم ہوا تھا، قبول نہیں کرتے تھے اور اس طرح تشیع کے مرقع میں مالک بن نویرہ وغیرہ کے خون کی رنگینی بھی اسی دور سے شروع ہو گئی۔

شیعیت کا تاریخی ارتقاء

رفتہ رفتہ کچھ سیاست کا نشہ اترنے کی وجہ سے، کچھ مذکورہ بالا افراد سے تبادلۂ خیالات کے نتیجہ میں اور کچھ حکومت وقت کی ناانصافیوں اور بے ضابطگیوں کو محسوس کرتے ہوئے بہت سے افراد نقطۂ حقیقت کے قریب آتے گئے اور خلافت عثمان میں حکومت کی اقربا پروری کی پالیسی نے اس رجحان کو تقویت دی۔

عثمان کی مخالفت کرنے والے اگرچہ زیادہ تر ان ہی سیاسی وجوہ سے انکے مقابلہ کے لئے تیار ہوئے تھے مگر کچھ افراد انکے ساتھ ایسے

بھی شریک ضرور تھے جو شیعہ اہلبیتؑ ہونے کی وجہ سے اس نظام حکومت ہی کو غلط سمجھے ہوئے تھے۔ان میں نمایاں افراد عمار بن یاسر محمد بن ابی بکر اور مالک اشتر تھے۔ ۳۵ھ میں حضرت علیؑ ظاہری طور پر منصب خلافت پر متمکن ہوئے تو بنی امیہ کے مقابلہ میں جنہوں نے آپ کا ساتھ دیا وہ سب شیعہ علیؑ کہے جاتے تھے۔ان میں سے بہت سے لوگ قریب سے جناب امیرؑ کے کمالات کو دیکھکر اور آپکے تعلیمات سے متاثر ہو کر صحیح معنی میں بھی شیعہ ہو گئے۔ عمار یاسر اور مالک اشتر کے ذریعہ عراق میں شیعیت آئی۔اور محمد بن ابی بکر کے ذریعہ سے مصر شیعیت سے روشناس ہوا۔ یمن کو حضرت علیؑ سے پہلے ہی اس لئے خصوصیت حاصل تھی کہ وہ آپ ہی کی پرامن تبلیغ کے ذریعہ دولت اسلام سے مالا مال ہوا تھا۔ جناب ابوذر غفاری کے ذریعہ سے جنہوں نے خلیفۂ ثالث کے دور میں شام کے اطراف میں دورہ کیا تھا شام کے پہاڑی صوبہ جبل عامل کے شہروں میں تشیع کا شیوع ہوا۔

اس دور کے ایسے افراد شیعہ جو نمایاں حیثیت رکھتے تھے۔مالک اشتر۔سعید بن قیس ہمدانی۔قیس بن سعد بن عبادہ۔حجر بن عدی۔ عمرو بن حمق خزاعی۔اور عبداللہ بن بدیل بن ورقا خزاعی وغیرہ تھے جو جہاد بالسیف کے بھی بڑے مردمیدان تھے۔

ان کے علاوہ ایسے افراد جو علم و معرفت میں جناب امیر المومنینؑ سے استفادہ کر کے بڑے درجوں پر فائز ہوئے کمیل ابن زیاد۔ میثم تمار اور رشید ہجری وغیرہ تھے۔جناب امیرؑ کے روحانی فیوض آپکی اولاد طاہرین کے علاوہ ان حضرات کے ذریعہ سے پھیلے۔

علوم تفسیر و فقہ و فرائض وغیرہ میں عبداللہ بن عباس نمایاں حیثیت رکھتے تھے اور علوم لسان میں ابوالاسود دئلی آپ کے خاص شاگرد تھے جنہوں نے قرآن مجید پر نقطے لگائے اور اعراب دئے۔ان کی اس خدمت کا عالم اسلامی قیامت تک ان کا ممنون احسان رہے گا۔

ادوار ابتلاء اور ان کا ردعمل

تحکیم کے بعد حکومت شام کے اقتدار میں اضافہ ہو گیا اور امام حسنؑ کی مصالحت کے بعد معاویہ شاہی تمام عالم اسلام پر چھا گئی۔ یہ دور شیعیت کے لئے بہت ناسازگار تھا۔ حجر بن عدی اپنے چھ ساتھیوں کے ساتھ سولی پر چڑھادئے گئے۔ عمرو بن الحمق کا سر قلم کر کے نیزے پر بلند کیا گیا۔ زیاد ابن ابیہ، سمرہ بن جندب اور بسر بن ارطاۃ نے ہزاروں شیعیان علیؑ کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ۶۰ھ تک یہی عالم رہا۔

اس وقت پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ عالم اسلامی میں جماعت شیعہ بھی کوئی وجود رکھتی ہے مگر ۶۱ھ میں جب کربلا میں حسین ابن علیؑ نے کارگاہ قربانی مرتب کی تو دنیا نے شیعیت کی حقیقی طاقت اپنی آنکھوں سے ان بہتر کی شکل میں دیکھی جن کے ایسے مخلص اور ثابت قدم اسکے پہلے کبھی دس بھی یکجا نظر نہ آئے تھے۔اسکے پہلے پندرہ بیس برس کی مدت تک کسی کو ہمت نہ تھی کہ وہ اہلبیتؑ کے فضائل کا اعلان کر سکے مگر شہادت حسینؑ نے جرأت اظہار کو وہ تقویت پہونچائی کہ سلیمان بن صرد خزاعی کے ساتھ ہزاروں آدمی سر سے کفن باندھ کر میدان میں آ گئے پھر مختار کے مجاہدات میں جو خون حسینؑ کے انتقام کے لئے تھے شیعیت نے کھل کر اپنی زندگی کا ثبوت دیا۔ اگر چہ سلطنت کی بے پناہ طاقتوں نے ان زندگیوں کا گلا گھونٹ دیا مگر وہ روح مردہ نہیں ہوئی اور آخر اسی نے سلطنت بنی امیہ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔

بنی عباس نے اسی شیعیت کے زیر سایہ اپنی سلطنت قائم کی۔یہ اور بات ہے کہ انہوں نے حصول اقتدار کے بعد بدعہدی سے کام لیا

اوراولادعلی بن ابی طالبؑ سے اپنے سوتیلے پن کی عداوت کا ثبوت دیا۔شیعہ وزیر ابوسلمہ خلال کو قتل کیا اور ابومسلم اصفہانی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا اور پھر ایمۂ اہلبیتؑ اور سادات پر ایسے مسلسل مظالم ڈھائے جیسے مظالم ڈھانے کا بنی امیہ کو بھی اس تسلسل کے ساتھ موقع نہیں ملا تھا۔

بے شک بنی امیہ کی سلطنت کے اضمحلال اور عباسیہ حکومت کے استحکام کے درمیانی وقفہ میں حضرت امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے دور میں ذرا تعلیمات اہلبیتؑ کی اشاعت اور اپنے علمی ذخیرہ کے کسی حد تک تحفظ اور اپنے مذہبی عقائد اور احکام کی تدوین کا افراد شیعہ کو موقع ملا۔اس دور میں مسائل امامت وغیرہ پر مناظرات بھی ہونے لگے تھے اور ہشام بن حکم، ہشام بن سالم، قیس، ناصر، مومن الطاق وغیرہ کلامی مسائل پر جہاد باللسان کا فرض انجام دے رہے تھے۔زرارہ بن اعین، محمد بن مسلم، اور ابوبصیر وغیرہ حفظ احکام شریعت کا، اسمٰعیل حمیری اپنی شاعری سے نشر فضائل اہلبیت کا بیڑا اٹھائے ہوئے تھے اور جابر بن حیان طرسوسی علوم عقلیہ اور اہان بن تغلب لسانیات میں شیعی ثقافت کا سکہ بٹھا رہے تھے۔

۱۵۰ھ کے بعد بنی عباس کی سلطنت کا تشدد بہت بڑھ گیا، اس حد تک کہ شیعہ علماء اپنے امام عصر حضرت موسیٰ کاظمؑ کا بسا اوقات نام بھی نہ لے سکتے تھے، اور الرجل الصالح وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کرتے تھے، مگر اسکے بعد مامون الرشید نے سیاسی اسباب کے تقاضوں سے امام رضاؑ کو ولیعہدی دے کر ایک موقع پھر شیعیت کے نمودار ہونے کا پیدا کر دیا۔

ایران پہلے ہی جناب شہر بانو، دختر یزدشاہ ایران کے زوجہ حضرت امام حسینؑ اور والدۂ امام زین العابدینؑ ہونے کی وجہ سے شیعیت سے مانوس ہو چکا تھا۔اب امام رضاؑ کے خراسان میں قیام نے اسے معارف اہلبیتؑ سے مزید تعارف کا موقع پیدا کر دیا۔

اگرچہ مامون نے پھر اپنی سیاسی غلطی تصور کر کے امام رضاؑ کو زہر دے دیا مگر وہ اثرات جو آپ کے قیام خراسان سے پیدا ہو گئے تھے مٹائے نہیں مٹ سکتے تھے، اسی کے نتیجہ میں قم علوم اہلبیتؑ کا ایران میں ایک بڑا مرکز بن گیا۔

اب شیعیت اتنی پھیل گئی تھی کہ اسکے فنا ہونے کا بظاہر اسباب بھی کوئی سوال باقی نہ رہا تھا، پھر بھی حکومت عباسیہ کا تشدد مامون کے بعد پھر بڑھ گیا۔شیعیت کی ترقی جتنی نمایاں ہوتی جاتی تھی، حکومت کی طرف سے اس کے خلاف مظالم اتنے ہی بڑھتے جاتے تھے، اب یہ تیسری صدی کا درمیانی حصہ تھا جس میں متوکل نے محسوس کیا کہ شیعیت کی طرف جذب کا مرکزی نقطہ شہید کربلا حضرت امام حسینؑ کی ذات ہے مگر اس وقت حسینؑ تو سامنے نہ تھے کہ انکے خلاف فوج کشی کی جاتی لہذا قبر امام حسینؑ کے مٹانے کی جدوجہد کی گئی اور زیارت امام حسینؑ کے روکنے کی کوشش کی گئی، مگر شمع حسینی کے پروانوں نے ہاتھ کٹوائے، پیر کٹوائے، گردنیں قلم کروائیں، اور اس کے باوجود زیارت سے باز نہ آئے، نہ قدرت نے قبر حسینؑ کے نشان کو مٹانے کی کوشش کامیاب ہونے دی بلکہ درمیان میں مظالم کے بند جذبۂ حسینی کو روکنے کی کوشش کے بعد جب کمزور ہو کر ٹوٹتے تھے تو وہ نئی قوت اور زیادہ جوش و خروش کے ساتھ طوفانی شکل میں آگے بڑھتا تھا۔بغداد میں امام موسیٰ کاظمؑ اور امام محمد تقیؑ کا قید ہونا اور سامرہ میں امام علی نقیؑ اور امام حسن عسکریؑ کی نظر بندی اور محبوس ہونا عراق میں شیعیت کے فروغ کا باعث ہو گیا چنانچہ تیسری صدی ہجری میں ایران کے مرکز شیعیت قم کے علاوہ خود حکومت عباسیہ کے پایۂ تخت بغداد میں شیعیت کا ایک مرکز موجود تھا۔

بارھویں امامؑ کے چاروں مخصوص نائب (وکلائے اربعہ) اسی بغداد میں تھے اور شیعی علم حدیث کی سب سے پہلی اور سب سے مستند کتاب کافی اسی بغداد میں لکھی گئی۔

مراکز علمیہ

اس کے بعد شیعیت کے دو علمی مرکز مستقل تھے، ایک قم، جسکے آخری ممتاز نمائندے شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی تھے اور دوسرے عراق میں بغداد کاظمین۔ رفتہ رفتہ عراق کے مرکز نے اتنی قوت حاصل کی کہ قم اسکے مقابلہ میں ماند پڑ گیا۔ پانچویں صدی میں بغداد ہی خاص مرکز شیعیت ہو گیا۔

شیعی سلطنتیں

اس وقت دنیا میں شیعی سلطنتیں بھی قائم ہو گئی تھیں، ایران و عراق میں سلاطین آل بویہ بہاء الدولہ، عزالدولہ اور سب سے بڑھکر عضدالدولہ ویلمی اپنا سکہ چلا رہے تھے۔ حلب میں آل حمدان جن میں مشہور حکمران سیف الدولہ تھا اور مصر میں فاطمی سلطنت جس کی یادگار جامع ازہر کی ایسی عظیم یونیورسٹی کی شکل میں جب سے اب تک قائم ہے۔ یہی دور وہ تھا جس میں بغداد میں پہلی بار عشرۂ محرم میں علانیہ عزاداری ہوئی اور سب سے پہلے ماتمی جلوس نکلا اور مصر کے مناروں سے حیّ علیٰ خیر العمل اور اشھد ان علیًا ولی اللہ کی صدائیں بلند ہوئیں۔ دارالسلطنت بغداد میں شیخ مفید، سید مرتضیٰ علم الہدیٰ اور سید رضی کے ایسے علماء پیدا ہوئے جن کے حلقۂ درس سے ہزاروں طلاب مستفید ہوتے تھے۔

نجف میں علمی مرکز کا قیام

اس شیعیت کی ترقی سے مخالف عناصر کا "نعل در آتش" ہونا ظاہر ہے چنانچہ پانچویں صدی کے وسط میں بغداد کے محلۂ کرخ کے شیعوں پر دھاوا بول دیا گیا۔ اتنے شیعہ قتل کئے گئے کہ کئی دن تک دجلہ کا پانی دور تک خون سے رنگین رہا۔ شیخ الطائفہ شیخ طوسی رحمۃ اللہ جو اس وقت تک بغداد میں مقیم تھے ان کی درسگاہ اور مسجد پر حملہ کیا گیا۔ وہ منبر جس پر بیٹھ کر وہ درس کہتے تھے آگ سے جلا دیا گیا، جس کے نتیجہ میں انہوں نے بغداد سے نجف اشرف کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد نجف مرکز علم ہو گیا۔

مخالف حکومت کا زوال

اور شیعیت کی عظیم فتح

شیعوں کے اس قتل عام کا نتیجہ مخالف جماعت کے لئے اچھا نہیں ہوا۔ سلطنت بنی عباس میں ضعف پیدا ہوگیا، اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد تا تاریوں کی ہاتھوں اس حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

لطف یہ کہ عین اس وقت جب تا تاری حکومت جمہور مسلمین کی خلافت کے پرخچے اڑا کر مادی حیثیت سے فاتح بنی ہوئی تھی وہ روحانی طور پر شیعیت سے مفتوح ہوگئی، اس طرح کہ اسی ہلاکو کی نسل میں سلطان الجائیتو خدا بندہ نے تمام مذاہب و ملل کا مطالعہ کرنے کے بعد اسلام قبول کرلیا اور فرق اسلام میں اپنے سامنے مناظرہ کرا کے مذہب شیعہ کی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کیا۔

ایک اور علمی مرکز

اب عراق میں ایک اور شیعی مرکز حلہ میں قائم تھا، جہاں سے فقہ کی وہ کتاب جس پر آج تک دارومدار ہے یعنی شرائع الاسلام تصنیف ہوئی۔ پھر علامہ حلی، انکے بیٹے اور فخر المحققین اور ابن فہد حلی ایسے علماء پیدا ہوئے۔

ایران اور ہندوستان میں شیعیت کا فروغ

دسویں صدی میں شیعیت کا اثر اتنا بڑھا کہ ہندوستان میں شیعی سلطنت قائم ہوگئی۔ دکن میں قطب شاہی اور عادل شاہی اور نیز احمد نگر میں شیعیت نے قدم جمالئے۔

غیر شیعی سلطنت مغلیہ میں بھی بیرم خاں۔ مولانا ابوالفتح فیضی۔ ابوالفضل اور قاضی نوراللہ شوستری ایسے ملت شیعہ کے ممتاز اشخاص اقتدار قائم کئے ہوئے تھے۔ اور ایران میں صفوی سلاطین نے تمام مملکت کو شیعی رنگ میں ایسا رنگ دیا کہ وہاں غیر شیعی عنصر کی پیداوار ہی ہمیشہ کے لئے ختم ہوگئی۔ یہ وہ انکی فتح ہے جو تاریخ عالم میں یادگار ہے اور جو ظلم و تشدد کا نتیجہ فطرۃ ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ تبدیلی ذہنیت کبھی تلوار کے وسیلہ سے ہونا ممکن ہی نہیں ہے۔

گیارھویں صدی ہجری میں شیعہ سلطنتیں عرب میں یمن، عجم میں ایران اور ہندوستان میں دکن میں قائم تھیں۔ اودھ میں جونپور سلاطین شرقیہ کی وجہ سے مرکز شیعیت بنا ہوا تھا۔ اور علمائے شیعہ میں سے ایران میں علامہ مجلسی نے شیعیت کی وہ خدمت انجام دی جو اپنی

نوعیت میں بے مثال تھی۔

بارھویں صدی میں جونپور کی کمی کو فیض آباد نے پورا کیا اور تیرھویں صدی کا آغاز ہوتے ہوئے جب غفرانمآب مولانا سید دلدار علی طاب ثراہ نے عراق سے تکمیل علم کرنے کے بعد لکھنؤ کو مستقر بنایا تو انکی اور انکی نسل کے اکابر علماء کی زیر ہدایت سلاطین اودھ نے شیعیت کی وہ ابدی خدمت انجام دی جس کے آثار اب تک جیتی جاگتی شکل میں موجود ہیں۔

۱۳ رجب ۱۲۰۰ھ کو ہندوستان میں شیعوں کی سب سے پہلی نماز جماعت جناب غفرانمآب کی اقتدا میں لکھنؤ ہی میں ہوئی اور ۲۷ رجب ۱۲۰۰ھ میں سب سے پہلی نماز جمعہ منعقد ہوئی۔اس دور میں غفرانمآب نے شیعہ علم کلام کی سب سے بڑی کتاب عماد الاسلام لکھی اسی صدی کے وسط میں عراق میں شیعہ فقہ کی سب سے بڑی کتاب جواہر الکلام لکھی گئی۔اور اسی کے بعد اصول فقہ کی اہم ترین کتاب رسائل تصنیف ہوئی۔

اب سلطنت اودھ کے علاوہ شیعوں کی کئی حکومتیں بنگال میں قائم تھیں اور سندھ میں تالپر خاندان کی حیدرآباد اور خیرپور میں حکومت تھی۔چودھویں صدی کے آتے آتے اگرچہ حکومت اودھ ختم ہوگئی مگر خودمختار ریاستیں رام پور،مرشدآباد،بنگن پلی،کھمبات اور خیرپور سندھ وغیرہ پھر بھی قائم رہیں۔اب تقسیم ہند کے بعد ہندوستان کی تمام ریاستوں کے ساتھ سوا خیرپور کے جو پاکستان میں ہے ملک کی شیعہ ریاستیں بھی ختم ہوگئیں،تاہم اثرات انکے برقرار ہیں۔یمن اور ایران کی شیعہ سلطنتیں اب بھی بحمداللہ موجود ہیں اور علمی مراکز ایران میں قم، عراق میں نجف اشرف،اور ہندوستان میں لکھنؤ کسی نہ کسی حالت میں اب بھی قائم ہیں۔اسکے علاوہ کم ایسی جگہیں ہوں گی جہاں مسلمان ہوں اور وہاں فرقۂ شیعہ کے افراد موجود نہ ہوں۔

یہ ہے اس شیعہ قوم کی مختصر تاریخ جس کے مٹانے کے لئے سلطنتوں کی طاقت صرف ہوتی رہی مگر وہ اپنی حقانیت اور حسینی قربانی کی بدولت دنیا میں اس صورت سے لازوال حیات کی مالک ہے۔

میرزا جمال اصغر

ممبئی ۱۴۲۶ھ

For Tareekhwaar Nauhas visit -

www.WirasatAli.com

www.youtube.com/user/WirasatAli

For Hamd, Naat, Souz, Salaam,
Marsiya and Majlis Videos visit -

www.youtube.com/user/MahaKavi